# ABSTRACT

## *By: DR.UMI SALMA*

## Philosophical & Spiritual Thoughts of Shah Muhammad Ghous (1090 A.H/1173)

This research deals with the introduction of the Manuscript and philosophical thoughts of Shah Muhammad Ghous (1090 A.H /1173A.H) to make reader acquainted with great Sufi famous in the east and worthy of being known in the West. In the Preface the reason for writing of this Manuscript "***Darkasab-e-Saluk-o-Biyan-e-Haqiqath-o-Marifath*** "Which has been preserved in Shah Muhammad Ghous Academy Peshawar, Stated that "I be supposed to explain some philosophical ideas according to my knowledge. So that the readers may become keen to understand the meanings of incomprehensible and controversial words and phrases (*Mutashabihat*)."

Shah Muhammad Ghous draws inspiration for his esoteric ideas from *Quran and Sunna.* He propounded a scheme of life with in the limits set by the law of Islam (*Shariat*) which he considered as the true path (*Tariqat*) to the ultimate goal of attaining nearness to Allah. It must be remembered that Sufism is to follow a spiritual path based on the Quran and prophetic practice actively with the aim of gaining that illuminative knowledge. He was not only a practical guide but also an excellent exponent of theoretical side of Sufism. His teachings are a fine specimen of orthodox moderation in which sought to reconcile the doctrine of the unity of being (***wahdatul-wajud***) with in the law of Quran and Hadiths. It is evident from his writings that Shah Muhammad Ghous had a philological skills acquaintance with Arabic grammar and syntax through. His corpus of writing reveals a man who was also deeply versed in tafsir, hadith, fiqh as well as in Sufism.

# شاہ محمد غوثؒ کے عارفانہ افکار

ڈاکٹر ام سلمیٰ گیلانی

گیارھویں اور بارھویں ہجری میں برصغیر پاک و ہند میں علمِ فلسفہ اپنے عروج پر تھا۔ سلطان سکندر لودھی (م ۹۲۳ھ/ ۱۵۱۷ء)(۱) سے پہلے یہاں منطق، فلسفہ اور علم الکلام کی چند کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ ملتان کی بربادی کے بعد شیخ عزیز اللہ تلنبی (م ۹۳۲ھ)(۲) اور شیخ عبداللہ تلنبی (م ۹۶۹ھ)(۳) نے دہلی میں علم معقول یعنی فلسفہ کو متعارف کیا۔ آپ دونوں حضرات علمِ فلسفہ میں امام وقت تھے۔(۴)

مولانا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں۔ کہ "واز جملہ علمائے کبار در زمانِ سلطان سکندر شیخ عبداللہ تلنبی در دہلی و شیخ عزیز اللہ تلنبی در سنبھل بودند ایں ہر دو عزیز ہنگامہ خرابی ملتان ہندوستان آمدہ و علمِ معقول را در آں دیار رواج دادندہ۔(۵)
سلطان سکندر کے دور میں اکابر علمائے دہلی میں سے شیخ عبداللہ تلنبی اور سنبھل میں شیخ عزیز اللہ تلنبی تھے۔ جو ملتان کی تباہی کے بعد ہندوستان آئے۔ اور انہوں نے ہی اس علاقے میں علم فلسفہ کو رائج کیا۔ جبکہ افغانستان میں اخوند محمد نعیم پاپنی (۱۱۲۱ھ)(۶) اور علامہ عبدالحکیم کاکڑہ (م ۱۱۵۳ھ)(۷) وغیرہ جیسے جید عالم تھے۔ جو علم الکلام اور فلسفہ کی جو درس و تدریس میں مشغول تھے۔

اسی زمانے میں شمالی ہندوستان کے موضع سلطان پور علاقہ بگرام پشاور میں محدث، کبیر حضرت شاہ غوث ۱۱۰۳ھ/۱۱۹۱ھ شریعت و طریقت کے گلزاروں کی آبیاری کر رہے تھے۔ آپ نے دیگر علوم اسلامیہ کی تکمیل کے ساتھ ساتھ علم فلسفہ اور کلام میں بھی اپنے قلم مترشح سے علم کے موتی بکھیرے، خصوصاً فلسفہ تصوف میں آپ کے دو مقالے اسرار التوحید اور توحید کلاں (عربی) دو مقالے بر مراتب سلوک (فارسی) نیز فصوص الحکم کی فصِ ادمیہ کی شرح (فارسی) قلمی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ [۸] محدث کبیر حضرت شاہ محمد غوثؒ نے سلوک و معرفت کو قرآن و سنت اور صوفیائے محققین کی تعلیمات کی روشنی میں واضح فرمایا اور اس کے متعلق ان تمام کدورات اور شکوک و شبہات کو حرفِ غلط کی طرح صاف کر دیا جو مستشرقین نے پیدا کئے تھے آپ کی یہ خدمات علم تصوف کا ایک ناقابل فراموش اور گراں قدر سرمایہ ہیں۔

## توحیدی افکار کا پس منظر:

بایزید انصاری الملقب پیر روشان (م ۹۸۰ھ)(۹) اور ایرانی افکار کی تحریکوں نے بہت سے جو مشکوک و شبہات پیدا کر دیے تھے سید علی الترمذی المعروف پیر بابا (م ۹۹۱ھ)(۱۰) اور آپ کے خلیفہ حضرت اخوند درویزہؒ (م ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۳۸) نے اپنی تصانیف کے ذریعے نہایت مدلل انداز سے پیش فرمایا اور خالصتاً ہندوانہ ویدانت، فقیرانہ بھیس میں تناسخ ارواح اور حیوانات میں معبود کا

ہونا وغیرہ جیسے باطل عقائد کا رد پیش کیا۔علم تصوف کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں بیان کیا۔ بلکہ افغانوں میں رائج بدعات کو دور کیا۔ طریقت کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کر کے روحانی مطلق العنانی کو دور کرنے میں زبان اور قلم سے جہاد کیا۔اور ان باطل نظریات وتحریکوں کا شدومد سے مقابلہ کیا۔آپ اپنی کتاب "تذکرہ الابرار والاشرار" میں لکھتے ہیں۔

اگر درآں حضرت شیخنا دراین حدود نبودے معلوم نیست کہ فردے از افراد این مردم مسلمان ماند (اگر اسوقت ہمارے شیخ (سید علی الترمذیؒ) اس علاقے میں تشریف فرما نہ ہوتے تو معلوم نہیں کہ یہاں کوئی ایک مسلمان بھی نظر آتا)۔(۱۱)

درحقیقت گیارھویں و بارھویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند میں مسئلہ توحید کے دو مکاتب فکر موجود تھے۔جن میں ایک مکتہ فکر وحدت الوجود (۱۲) کا قائل تھا۔اور دوسرا وحدت الشہود (۱۳) کا اسی صدی میں شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۵ء) علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰) اور شیخ عبدالعزیزؒ (م ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء) وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں تطبیق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔(۱۴) علامہ عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں۔کہ جو اللہ کی کتاب میں تدبر نہیں کرتا حدیث میں فہم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں جس نے علماء کی ملازمت اختیار نہیں کی۔جبکہ علماء سے مراد صوفیاء ہیں۔اور وہ صوفیاء جو کتاب وسنت کا علم رکھتے ہیں۔یا وہ فقہاء جو علم حدیث کا علم رکھتے ہیں۔جاہل صوفیاء جو باوجود علم رکھنے کے انکار کرتے ہیں۔پس یہ لوگ رہزن ہیں اور دین کے ڈاکو ہیں۔پس اِن سے بچو۔اللہ جل جلالہ ہمیں اپنے مطیع لوگوں میں سے کرے۔اور اپنی رضا کے اتباع کی توفیق دے۔اور ہمیں اُن میں سے بنائے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے۔(۱۵) یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔تو انہیں یہ حیرت ہوتی ہے۔کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی اُن کے دینی نظام کو تباہ نہیں کر سکا۔

پروفیسر ہٹی لکھتا ہے۔اکثر ایسا ہوا۔کہ سیاسی اسلام کے نازک ترین لمحات میں مذہب اسلام نے نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔(۱۶) جبکہ فریڈیو کے ٹارو نے دبے انداز میں اِس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے۔کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا۔لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔(۱۷) کیا ان اسباب کا تجزیہ ممکن نہیں۔جنھوں نے مسلمانوں کی دینی زندگی کو سیاسی زوال کے خطرناک اثرات سے بچایا۔اور زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فکر وعلم میں تبدیلیاں پیدا کیں۔

پروفیسر ایچ۔آر۔گب لکھتے ہیں۔"کہ تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں۔کہ اسلامی کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا۔لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا۔اسکی بڑی وجہ یہ ہے۔کہ تصوف یا صوفیاء کا اندازِ فکر فوراً اسکی مدد کو آجاتا ہے۔اور اُسے اسقدر قوت اور توانائی بخش دیتا ہے۔کہ کوئی طاقت اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتی"۔(۱۸) ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں۔(۱۹) کہ وہ عقلیت کے مہلک اثرات نے مسلمانوں کی دینی زندگی کے کسی گوشے کو نہیں بخشا۔ذات وصفاتِ خداوندی، خلقِ قرآن، دوزخ، جنت، معجزات، معراج غرض ہر مسئلے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا گیا۔آیات قرآنی کی ایسی تاویلات کی گئیں جس سے یونانی فلسفے کی تائید ہو سکے۔اِس صورت حال کا سب سے زیادہ افسوسناک نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کا طریقہ استدلال دوراز کار دقیقہ سنجیوں میں گم ہوگیا۔ظاہر ہے۔کہ اس کے تمام

بیانات کا محور و مرکز اس کا طریقہ استدلال ہی ہے۔اس کے ارشادات و بصائر اس کے قصص و امثال اور اس کے مواعظ و حکم کے طریقے سے اسی چیز سے کھلتے اور اُبھرتے ہیں۔ یہ ایک چیز کیا گم ہوگئی۔ گویا اس کا سب کچھ ہی گم ہوگیا۔

شاہ محمد غوثؒ کے دور کے سیاسی، معاشی، سماجی اور معاشرتی پسِ منظر میں مسلمان حکمرانوں کی بے جا رواداری کے باعث مسلم معاشرے کے مختلف شعبوں میں ہندو تصوف یعنی ویدانت اور یوگ کے اثرات پیدا ہو چکے تھے۔ برصغیر کے اس دور دراز علاقے میں جو مضافہ کابل تھا میں بھی تحریک ایرانی شعیت اور بایزید انصاری کا اختراع کردہ نظریہ وحدت الوجود ایک مسخ شدہ صورت میں پایا جاتا تھا۔عوام الناس بھی نفسانی خواہشات میں مستغرق خود غرضیوں و بداعمالیوں کا شکار اور حیوانیت و بہمیت کا مظہر بن چکے تھے ان تمام اخلاق ذمیمہ کیوجہ سے انکی روحانی و قلبی کیفیات توحید کو سمجھنے سے یکسر عاری ہو چکی تھیں۔

چنانچہ شاہ محمد غوثؒ نے اپنی تصانیف وارشادات کے ذریعے نہایت آسان، دلنشین اور مدلل پیرائے میں اُن اصطلاحاتِ صوفیہ کو اپنے صحیح معنی و مفہوم کے ساتھ بیان کیا۔تا کہ اُن مروج غلط نظریات کا ازالہ قرآن وسنت کی روشنی میں کیا جائے۔ اِسی لیے آپ لکھتے ہیں۔

**ان اکثر المشائخ الصوفیه قائلون بوحدة الوجود فیرد علی هذا القول اشکالات مخالف الشرع فلا بد من بیانها لوجه کان لایخالف الشرح۔(۲۰)**

اکثر مشائخ صوفیہ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ اور ان کے اس قول پر شرح مطہرہ کے خلاف بہت سے مشتبہ سوالات اُبھرے۔ اِس لیے یہ امر ضروری ٹھہرا کہ ان مشتبہ سوالات کو شریعت محمدی ﷺ کے موافق بیان کیا جائے۔ آپ لکھتے ہیں۔ کہ سالک کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ اتباع نبوی علیہ افضل الصلواۃ والسلام میں انتہائی کوشش کرے۔ اور بغیر حضور ﷺ کی پیروی کے کوئی قدم نہ اُٹھائے۔ عقائد۔ اعمال افعال اور احوال میں آنحضرت ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے میں کمال جدوجہد کرے۔ آپ نے متلاشی حق کیلئے یہ امر بھی ضروری ٹھہرایا۔ کہ وہ حدیث اور فقہ کا مطالعہ کرے اور وہ فقیہانہ روایات جو احادیث کے مطابق ہوں اُن پر عمل پیرا ہو۔(۲۱)

## شاہ محمد غوث کے عارفانہ کلام کا جائزہ

آپ کافی بحث و تمحیص کے بعد مسئلہ مذکورہ کو یوں حل فرماتے ہیں۔ کہ یہاں یہ امر بھی واضح کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ کہ قرآن کی متعدد تصریحات ہیں۔ جنہیں اگر وحدۃ الوجودی تصور کی طرف لے جایا جائے تو بلا تکلف دور تک جاسکتی ہیں۔ مثلاً:

**"هو الاول و لاخرو الظاهرو و الباطن. اینما تولو فثمه وجه الله. ونحن اقرب الیه من حبل الورید. کل یومٍ هو فی شان"۔**

یا تمام اسطرح کی تصریحات جن میں موجودات کا بالآخر اللہ کی طرف لوٹنا بیان کیا گیا ہے۔ توحید وجودی کے قائل ان تمام آیات سے مسئلہ وحدہ الوجود پر استدلال کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اگر میں مسئلہ وحدت الوجود کو ثابت کرنا چاہوں

تو قرآن وحدیث کے تمام نصوص وظواھر سے اثبات کرسکتا ہوں۔لیکن صاف بات جواس بارے میں معلوم ہوتی ہے۔وہ یہی ہے۔کہ ان تصریحات کوان کے قریبی محامل سے دور نہیں لے جانا چاہیے۔اوران معانی سے اگے نہیں بڑھنا چاہیے۔جو صدراول کے مخاطبوں نے سمجھے تھے باقی رہا حقیقت کے کشف وعرفان کا وہ مقام جو عرفاء طریق کو پیش آتا ہے۔تو وہ کس طرح بھی قرآن کے تصورِالٰہی کے عقیدے کے خلاف نہیں،اس کا تصور ایک جامع تصور ہے۔اور ہر توحیدی تصور کی اس میں گنجائش موجود ہے۔جو افراد خاصہ مقام احسان تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔وہ حقیقت کو اس کے پسِ پردہ جلوہ طرازیوں میں بھی دیکھ لیتے ہیں۔اور عرفان ومنتہیٰ مرتبہ جو فکرِ انسانی کی دسترس میں ہے۔انہیں حاصل ہو جاتا ہے۔ومن لم یذک لم یدرک۔

تو نظر باز ہز ورنہ تغافل نگراست　　　　تو زبان فہم نہ ورنہ خموشی سخن است

یہ علمائے مُسترشدین عقلیت وصنعیت سے بیزار تھے۔اوراس عقلیت سے پیدا شدہ ذہنی ہیجان کو اپنی تصانیف،ارشادات، تعلیمات اور مواعظِ حسنہ سے قلبی کیفیات کے ذریعے ورد کرنے کی کوشش کی۔کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔کہ

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ۔(۲۳)

(تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور ممنوعات سے روکے)۔

شاہ محمد غوثؒ اپنے مقالے مراتب سلوک (فارسی۔قلمی) میں اسی طرح سے بیان کرتے ہیں۔

کہ انسان ہر دو مراتب یعنی مرتبہ الٰہیہ وجوبیہ اور مرتبہ امکانیہ کا جامع ہے۔جو مرتبہ غالب آجائے تو اُس کے احکام ظاہر ہو جاتے ہیں۔اگر مرتبہ امکان غالب ہو تو سونا،کھانا،غفلت،عصیان،لذاتِ جسمانی ونفسانی کی مستولی ہو جاتی ہے۔اور اگر مرتبہ وجوبیہ غالب ہو تو علم،معرفت،کشف عالم،ملکوت،جبروت ولاھوت حاصل ہو جاتے ہیں۔اور وہ اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہو جاتا ہے۔یعنی مراتب سلوک میں نظریہ وحدت الوجود کو بطور طریق سلوک پیش کیا۔نیز مراتب سلوک کو مراتب وجود کے کشف اور وصول کا ذریعہ ٹھہرایا۔(۲۴) مقالہ ھذا میں اُن اصطلاحات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔جو شاہ محمد غوثؒ نے اپنے رسائل میں استعمال کیں۔انہیں سریع الفہم انداز میں حل کیا۔

رسالہ درکسب وسلوک وبیان حقیقت ومعرفت (قلمی)۔اپنی افادیت کے لحاظ سے جویائے حقیقت ومعرفت اور سالک راہِ طریقت کے لیے مشعلِ ہدایت ہے۔شاھراہ سلوک کے راہی کا مونس وھمدم ہے۔رہ نوردِ منزل شوق کیلئے سنگِ میل ہے۔نوآموزوں کیلئے پیر کامل اور پختہ کاروں کیلئے ھادی ورہنما۔آپ ابتدا میں لکھتے ہیں۔کہ''مبتدی را دو چیز لازم است یکے ذکر دوام دوئم فکرِ تمام کہ ذکر موجب شوق ومحبت است وفکر موجب فناءَ معرفت است''۔(۲۵) مبتدی کے لیے دو چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ایک ذکر دوام اور دوسری فکر تمام۔ذکر شوق ومحبت پیدا کرتا ہے۔اور فکر سے فنا ومعرفت حاصل ہوتی ہے۔ذکر کی بہت سی انواع واقسام ہیں۔مگر یاد رکھو کہ ذکر کرنے کا جو طریقہ مرشد کامل ارشاد فرمائے۔اُسی پر عمل کرنا چاہیے۔کیونکہ اُسی سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔جب ذکر قلبی جاری

ہو جاتا ہے۔اور اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔کہ سالک کے تمام اعضاء اور رگ وریشہ میں جاری وساری ہو جاتا ہے۔کہ وہ ذکر معلوم ہوتا ہے،سُنا جاتا ہے۔بخوبی محسوس ہوتا ہے، بلکہ دوسری تمام اشیاء حتی کہ ذراتِ عالم کے ذکر کو بھی سنتا ہے،جس سے وہ بہت ذوق اور عظیم لطف حاصل کرتا ہے،اور تجلیات حق تعالیٰ اُس پر ظہور پزیر ہو جاتے ہیں۔اور اُس کا قلب تعلقاتِ ماسوی اللہ سے نجات پالیتا ہے۔ ہیشگی کے ساتھ ہر وقت ہر آن، ہر لمحہ اور ہر لحظہ اُسی کی لگن رہتی ہے۔اور یہ خیال اُس کے دل سے کسی وقت بھی دور نہ ہو۔ ہر وقت، ہر لمحہ، ہر آن اور ہر لحظہ اُسی کے خیال میں مستغرق رہے۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے امور میں مشغول ہو تو اُسکی اِس باطنی نسبت میں کسی قسم کا کوئی خلل واقع نہ ہو۔لیکن فراغت کے وقت یہ نسبت باطنی مشغولیت کے وقت یہ نسبت غالب تو نہیں ہوتی۔لیکن دور بھی نہیں ہوتی۔ بعض بزرگانِ کرام کے نزدیک یہ توحید ہے۔کہ دل غیر حق سے خالی ہو۔

ذکر وفکر کا فرق اسطرح سے بیان کرتے ہیں۔(۲۶)

یادِ حق الفاظ اور حروف سے ہو۔مثلاً:اللہ یا لا الہ الا اللہ یا دوسرے الفاظ سے ہو۔ذکر کہتے ہیں۔اور اگر ملاحظہ ذاتِ حق بغیر الفاظ کے ہو تو اُسے فکر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔جب سالک کے دل میں ذکر جاری ہو جائے۔اور ہر وقت اس کے دل کا ذکر اسم اللہ ہو۔(اُسکا قلب ذاکر بن جائے) اور تمام مذکورہ اذکار (۲۷) جو بیان کے گئے ہیں۔وہ سب قلب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔اس ذکر سے قلب میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔آپ لکھتے ہیں۔کہ جان لو کہ حق تعالیٰ کو دیکھنا بعینہ دیکھنا نہیں ہے۔تو یہ لفظ گویا کہ ساتھ تصور کیا جائے۔جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

**الاحسان ان تعبدالله کانک تراهُ فان لم تکن تراهُ فانهُ یراک۔(۲۸)**

احسان یہ ہے۔کہ تو اللہ کی عبادت اسطرح کر گویا کہ تو اُسے دیکھتا ہے۔اگر تو اسے اسطرح نہیں دیکھتا تو یوں سمجھ کہ وہ تجھے دیکھتا ہے۔جب یہ مراقبہ غالب ہو جائے۔تو پھر مراقبہ معیت کرے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔**وھو معکم اینما کنتم ونحن اقرب الیه من حبل الورید۔**۱۶ق ۵۰ (۲۹)

تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔اور ہم تمہاری شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اِس فعل کے آخر میں آپ لکھتے ہیں۔

دریں مرتبہ بہ تجلی صفات بر سالک نمایداز ہر صفحہ ذوق ولذت علحیدہ ی باید ایں را معرفت ی نامند در مرتبہ حقیقت محض فنا درحق است در معرفت امتیازی شود۔(۳۰)

اس مقام میں سالک پر تجلی صفات کا ظہور ہوتا ہے۔تو وہ ایک ذوق اور لذت پاتا ہے۔اُسی کو معرفت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔جبکہ مرتبہ حقیقت ذاتِ حق میں بالکل فنا ہونا ہے۔اور یہ مرتبہ معرفت میں امتیاز ہے۔جب سالک کی نظر میں غیر حق معدوم ہو جائے اور حق تعالیٰ بندے کو اپنی ذات میں فنا کر دے۔اور اپنے آپ میں کرلے۔تو اسوقت سالک کی نظر میں غیر حق مطلقاً محو ہو جاتا ہے۔اور جو کچھ بھی نظر آتا ہے۔نور کی تجلیات ہوتی ہیں۔سالک اس مقام پر سوائے واحدِ حقیقی کے اور کوئی چیز یں دیکھ پاتا۔

تجلیاتِ حق کو یوں بیان کرتے ہیں۔ جان لو تجلیات حق سبحانہ تعالیٰ چار قسم پر ہیں۔

اول: تجلی علمی عینی، اس سے اعیانِ ثابتہ یعنی صورِ علمیہ ظاہر ہوتے ہیں۔

دوم: تجلی وجودی۔ حقائق اشیاء جو کہ خارج میں ظاہر ہوتے ہیں۔

سوم: تجلی شہودی۔ یہ تجلی اصحابِ شہود پر ظاہر ہوتی ہے۔ جو دو قسم کی ہے۔ ایک تو یہ کہ سالک کی نظر شہود سے لباس غیریت اُٹھ جائے۔ اور اشیاء خارجی کو اُسی کی تجلیات سے دیکھے۔ اور اُسکی نظر میں غیر حق نہ آئے۔ تجلی ذاتیہ اسکی قسم دوم ہے۔ جس میں تجلی حق عالم مثال میں مطلق یا مفید تمام موجودات کی صورتوں میں یا انوار کی صورتوں میں یا معانی ذوقیہ کے لباس میں تجلی کرتا ہے۔ اور سوائے صورتوں اور معانی کے کسی مرتبہ میں اس کا مظہر نہیں ہوتا۔ اسی کو تجلی ذاتیہ کہتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے۔ کہ سالک کی نظر میں تمام چیزیں محو اور مخمل ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ تمام صور بھی سوائے مرتبہ اطلاق ذاتِ بحت کے اُسکی نظر میں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

چوتھی: تجلی اعتقادی: جو فکر یا قید سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ تصور اعتقادات ان اصحاب کے فکر کے برابر ہوتا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| تجلی<br>علمی عینی | | تجلی<br>وجودی |
| | تجلیاتِ<br>حق | |
| تجلی<br>شہودی | | تجلی<br>اعتقادی |

فصل در ذاتِ بحت۔ سالک کامل کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ نسبت ذات جسے نسبت بلا کیف بھی کہتے ہیں۔ میں مشغول رہے۔ کہ اپنی قلبی توجہ کو اُس ذات پر جو منزہ اور مقدس ہے۔ اور جو فکر و ادراک کے احاطے سے باہر ہے۔ خوب جمائے۔ گویا دن رات دل کی آنکھ اُسی پر لگی رہے۔ اور قلبی توجہ کو اُس سے بالکل منقطع نہ کرے۔ اپنے آپ کو اور تمام جہانوں کو دل میں قطعاً نہ لائے۔ مبتدی کیلئے لازمی امر ہے۔ کہ اپنے مرشد کا تصور کرے۔ کیونکہ مرشد کے ساتھ قلبی تعلق رکھنے سے اُس کے باطن سے سالک کے باطن کو فیض حاصل ہوتا ہے۔ سالک پر اس شغل کے دوران اور انوار کے پیدا ہونے سے مثالی صورتیں ناسوت (۳۱) اور ملکوت (۳۲) کے حالات بھی کھل جاتے ہیں۔ چاہیے کہ ان امور پر جبکہ یہ منکشف ہوں تو توجہ نہ کرے اس لیے کہ مرتبہ جبروت کی جانب اُسکی منزل رُک نہ جائے۔ اور سالک کی ہمتِ عالی لاھوت اور ھاھوت (۳۳) کے مراتب طے کرے۔ اور اُن مراتب پر پہنچ جائے۔ اور اگر سالکین اِس راہ میں تنزل کریں۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اس فعل میں ذاتِ بحت کی تعریف، تشریح اور اس کے حصول کا طریقہ سکھایا۔ تا کہ طالب سلوک و معرفت اس پر عمل پیرا ہو کر

اپنا مقصود پالے۔ آپ نے ان تمامتر اوراد، اعمال، اشغال پر بذات خود عمل کرنے کے بعد بیان کیا۔ کہ یہ طالب صادق کے لیے ایک مکمل و اکمل مرشد استاد کا درجہ رکھتا ہے۔ آپ اپنے وثوق کی بناء پر لکھتے ہیں۔

کہ اگر کامل استعداد رکھنے والا اس رسالے پر جو کہ محققین صاحبِ کمال لوگوں سے حاصل کر کے تحریر کیا گیا ہے۔ عمل کرے۔ تو ضرور معرفت وسلوک کی منزلوں کو طے کریگا۔ (۳۴)

رسالہ ھذا کے دو قلمی نسخے جناب سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ ایک نسخہ تو بہت قدیم ہے۔ جس پر کوئی تاریخ وغیرہ درج نہیں ہے۔ جبکہ دوسرا نسخہ ۱۸۲۱ھ میں نقل کیا گیا ہے۔ جو حضرت میر محی الدین شاہ بن سید عیسیٰ شاہ بن سید موسیٰ شاہ بن سید عابد شاہ بن شاہ محمد غوث نے حسب قاعدہ اپنے بھائی سید اکبر شاہ المعروف آغا پیر جان کو سندِ خلافت عطا کرتے وقت اپنی قلم سے لکھ کر دیا۔ اس کا ایک خطی نسخہ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی موزۂ ملی پاکستان کراچی کے ص ۱۹۸ پر موجود ہے۔ اس کے علاوہ ۱۳ خطی نسخوں کا ذکر بھی موجود ہے جو مختلف مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ جسکا ذکر فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان مطبوعہ عدو مسلسل ۲۲۲۲ ص ۱۲۵۵ تا ص ۱۲۵۷ پر بھی ہے۔ شاہ محمد غوثؒ کی یہ عہد آفریں، دینی، علمی اور تصنیفی خدمت کسی بھی مورخ کو جب وہ اس دور کی تاریخ بیان کرے گا تو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کتاب میں آپ نے اُس صدی کے حصہ جن علماء مشائخ، مجاذیب اور فقراء سے ملاقات کی اُن کا تذکرہ بھی کیا۔ جو اپنے وقت کی مکمل نمائندگی کرتا ہے۔ آپ نے یہ روحانی اور علمی رودادِ سفر اس لیے قلمبند کی۔ کہ آنیوالی نسلیں بھی اس کے فوائد و برکات سے مستفید ہوسکیں۔ اور یہ تصوف کی دینی و علمی عظیم المرتبت خدمت ہے۔ جس میں دنیا طلبی کے بحران کو کم کر کے ایمان کو بیدار کر دیا۔ آخرت کے یقین کو ابھارتے ہوئے خدا طلبی کا ذوق پیدا کیا۔ اسکی سچی معرفت و بندگی، رضامندی میں عالی ہمتی الغرض توحید کامل کو واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا۔ جس سے باطل عقائد ونظریات یکسر ختم تو نہیں ہوئے۔ مگر اُن باطل تحریکوں اور قوتوں کا اثر زائل ہو گیا۔

# حواشی وحوالہ جات

(۱) سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۴۷۰۔ مطبع الجمعیت پریس دہلی ۱۳۷۷ھ۔

(۲) شیخ فاضل علامہ عزیز اللہ حنفی تلنبی ملتانی ثم سنبھلی امامِ وقت اور آئمہ محققین میں سے تھے۔ جو سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں دہلی آئے اور سنبھل میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اصول۔ کلام، منطق۔ حکمت اور علومِ متداولہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ توفی سنۃ اثنتین وثلاثین وتسع مائۃ ۹۳۲ھ۔ نزھۃ الخوطر۔ ج ۴ ص ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ دائرہ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۶ھ۔ ماثر الکرام آزاد بلگرامی ص ۱۹۱۰ مطبع مفید عام آگرہ۔

(۳) عبداللہ بن عثمان بن عطاء اللہ المودودی الامروی ثم سنبھلی۔ آپ کا لقب شمس الدین اور کمال الدین تھا۔ ۲۰ محرم ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔ نزھۃ الخواطر۔ عبدالحئی ص ج ۴ ص ۲۰۹۔ ۲۱۰۔

(۴) ماثر الکرام، آزاد علی بلگرامی ص ۱۹۱، مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۱۰ء، تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمان علی ص ۱۰۱، مطبع نول کشور لکھنو ۱۳۱۲ھ مترجم محمد ایوب قادری پاکستان ہٹاریکل سوسائٹی ۱۹۶۱ء۔

(۵) منتخب التواریخ، عبدالقادر بدایونی ج ا ص ۳۲۴، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۹ء۔

(۶) درکسب وسلوک و بیان حقیقت و معرفت (قلمی) شاہ محمد غوث مملوکہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی ص ۱۰۶ تحفۃ السالکین (قلمی حضرت محمد درویش ص ۱۳ مملوکہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی پشاور روحانی رابطہ۔ عبدالحلیم اثر افغانی، پشتو روحانی تڑون ص ۶۸۲، مطبوعہ ادارا شاعت باجوڑ شاہ محمد غوثؒ کی دینی علمی خدمات، ڈاکٹر ام سلمیٰ گیلانی ص ۲۸۹، مکتبہ الحسن، شاہ محمد غوث اکیڈمی جون ۱۹۹۰ء۔

(۷) ایضاً۔

(۸) مملوکہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی۔ شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور۔

(۹) نزھۃ الخواطر۔ عبدالحیٔ حسنی ج ۴ ص ۴۹۔ وبستان مذاہب، ملا محسن خانی ص ۲۵۰ مطبوعہ بمبئی ۱۲۹۲ء تذکرہ صوفیائے سرحد، اعجاز الحق قدوسی ص ۸۶، ۸۷، مطبوعہ سندھ ادبی بورڈ ۱۹۵۹ء۔

(۱۰) تذکرہ الابرار والاشرار ص ۱۳۳، ادارۂ اشاعت سرحد، پشاور۔ تذکرہ الابرار والاشرار، ص ۱۳۲/ص ۱۳۳/ ۱۵۱۔

(۱۱) خزینۃ الاصفیا، مفتی غلام سرحد لاہوری، ج ۲ ص ۱۷۴ ثمر ہند لکھنو ۱۸۷۳ء۔ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ج 1 ص ۳۸، اُردو ڈائجسٹ پرنٹرز لاہور ۱۹۷۲ء۔ رود کوثر، شیخ احمد اکرام ص ۳۷۰، ادارۂ ثقافت اسلامیہ ۱۹۷۵ء تحقیقی مقالہ، پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالغفور، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل ڈگری کالج لاہور۔

(۱۲) وحدت الوجود مرکب اضافی ہے۔ جو دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ ایک وحدت دوم وجود، وحدت وہ جس میں کسی وجہ سے کثرت نہ ہو اور وہ تجزی کو قبول نہ کرے۔ نہ اس کے مقابلے میں کوئی ضد ہو، تجزی و تغیر و ضدیت و تشبیہ واثنیت کو وہ قبول نہیں کرتی۔ مولانا جلال الدین بلخی میان صوفیہ و علماء کلام ص ۸۸۔ ڈاکٹر عنایت اللہ ابلاغ۔ مطبوعہ کابل۔

(۱۳) وحدت الشہود بھی مرکب اضافی ہے۔ جو دو اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک وحدت ہے۔ دوم شہود جب سالک تعینات اور موجودات صوریہ سے گزر کر توحید اعیانی کے مقام پر پہنچتا ہے۔ تو حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جس شئی پر بھی نگاہ ڈالتا ہے۔ تو اُس میں اُسے حق کی تجلی ہی نظر آتی ہے۔ اور یہ مشاہدہ بغیر حلول، اتحاد، انفعال کے ہوتا ہے۔ سرِّ دلبراں۔ علامہ شاہ محمد ذوقی ص ۳۳۳۔ محفلِ ذوقیہ کراچی ۱۳۷۱ھ۔

(۱۴) ہندوستان میں وحدت الوجود سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ، سید صباح الدین عبدالرحمان مارچ ۱۹۷۰ء دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ شاہ ولی اللہ کی تعلیم، غلام حسین جلبانی ص ۱۳۷/ ۱۳۸، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی۔

(۱۵) الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، سیکنڈ ایڈیشن، مولانا عبیداللہ سندھی ص ۳۳۳، مرتبہ محمد منظور نعمانی ۱۳۶۰ھ تفہیمات الٰہیہ، شاہ ولی اللہ، ص ۲۰۲ ج ۲، مجلسِ علمی ڈابھیل مدینہ پریس بجنور۔

(۱۶) History of Arabs, London 1951. P. 475

(۱۷) Islamic Taxation in the classic period, Frede Lokke Gaard Capnhagen, 1950.

(۱۸) Islamic Culture, Browne, E.G. Cambridge 1928. p.265.

(۱۹) ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد ص ۲۰۳، مکتبہ سعید ناظم آباد کراچی، ۱۹۳۱ء۔

(۲۰) اسرارالتوحید (قلمی، عربی) شاہ محمد غوث مملوکہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی ص 1۔

(۲۱) درکسب سلوک و بیان حقیقت و معرفت (فارسی، قلمی، شاہ محمد غوثؒ مملوکہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی ص ۸، ۹۔

(۲۲) ۳م الحدید ۵۷

(۲۳) ۱۰۴، آل عمران ۳۔

(۲۴) قلمی نسخے جناب پروفیسر منظور الحق صدیقی الحال راولپنڈی کے پاس موجود ہیں۔ جسکی فوٹو اسٹیٹ جناب سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی کے پاس موجود ہیں۔ ص ۹۔

(۲۵) درکسب سلوک و بیان حقیقت و معرفت (قلمی)۔ شاہ محمد غوثؒ۔ ص ۴۔

(۲۶) ایضاً۔ ص ۴۷۔

(۲۷) لطائفِ ستہ! جسم انسانی میں چھ مواضع ہیں۔ جن پر فیوض وانوار و برکاتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا رہتا ہے۔

(ا) لطیفہ قلبی: دوانگلی زیر پستان چپ (بائیں) نور اس کا سرخ ہے۔ معرفعت کا محل ہے۔

(ب) لطیفہ روحی: دوانگلی زیر پستان راست، نور اس کا سفید ہے۔ محبت کا محل ہے۔

(ج) لطیفہ نفس: زیر ناف، نور اس کا زرد ہے۔

(د) لطیفہ سری: مابین سینہ، نور اس کا سبز ہے۔ مشاہدہ کا محل ہے۔

(ہ) لطیفہ خفی: بالائے ابرو، نور اس کا نیلگوں ہے۔

(و) لطیفہ اخفیٰ: اُم الدماغ ہے۔ نور اُس کا سیاہ ہے۔ مثل سیاہی چشم کے (سرِّ دلبراں ص ۲۹۸/۲۹۹)۔

(۲۸) بخاری باب التفسیر سورۃ ۴۱ ایمان ۴۷ مسلم کتاب ایمان ۵۷۔ داؤد سنہ ۱۶، ترمذی ایمان ع۔ ابن ماجہ مقدمہ ۹۔ المعجمہ المفہرس لالفاظ الحدیث لیڈن ۱۹۴۶ء۔

(۲۹) القرآن ۱۶ ق ۵۰۔

(۳۰) درکسب وسلوک و بیان حقیقت و معرفت (قلمی) شاہ محمد غوثؒ، ص ۶۸۔

(۳۱) مکاشفہ ناسوت۔ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ان واقعات سے پہلے مطلع فرمادینا۔ جو عالمِ بشریت یعنی دنیا میں پیش آنے والے ہیں۔ درکسب سلوک و بیان حقیقت و معرفت (قلمی) ص ۸۷۔

(۳۲) مرتبہ ملکوت سب سے پہلے نور محمد ﷺ ظاہر ہوا۔ ہر چند کہ حقیقت محمد، مرتبہ وحدت اور مرتبہ ۱۹۶ حدیت میں تھی۔ اور مرتبہ وحدت عین حقیقت محمد ہے۔ مرتبہ واحدیت، مرتبہ الوہیت میں مضمر تھا۔ جبکہ مرتبہ علم میں صورت علیمہ محمد یہ باقی تمام صور پر مقدم ہے۔ اس کے بعد مرتبہ ملکوت نے نور کی صورت میں ظہور یا۔ ایضاً۔

(۳۳) سالک سب سے پہلے نور محمد میں اپنے آپ کو فنا کرے اور بہتر ہے۔ کہ اس کے مرتبہ جبروت اور لاھوت میں ترقی کرے۔ اگر لاھوت سے مرتبہ وحدت اور واحدیت میں پہنچ جائے تو اس کو مرتبہ ہاہوت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ص ۱۰۳۔

(۳۴) درکسب سلوک و بیان حقیقت و معرفت، ص ۸۔